© rasailojaraid.com

زردشت —— اور ان کا مذہب

(ابوسلمان شاہجہاں پوری)

زردشت کی شخصیت، ان کے زمانہ ظہور اور محل ظہور ایک مدت تک تاریخ کا مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے لیکن بیسویں صدی کی ابتدا سے زردشت ان کی تاریخی شخصیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے بلکہ ان کے ظہور کے زمانہ و محل پر بھی عام طور پر اتفاق کر لیا گیا ہے زردشت سائرس کے معاصر تھے۔ شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ان کا ظہور ہوا اور ان کا سال وفات ۵۵۰ قبل مسیح سے لے کر ۵۸۳ قبل مسیح تک تسلیم کیا گیا ہے۔

جس طرح زردشت کی شخصیت اور ان کا زمانہ و محل ظہور تاریخ کا اختلافی مسئلہ رہا ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی موضوع اختلاف بنا رہا کہ ان کی حقیقی تعلیمات کیا تھیں لیکن اب یہ مسئلہ بھی حل کر لیا گیا اور اس بارے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ

"زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے۔ بلکہ قدیم میڈوی مجوسیت کا ردِ عمل ہے۔" (ترجمان القرآن۔ جلد دوم صلـ۱۱۶)

یہاں ہم زردشت کے مذہب اور ان کی تعلیمات کے بارے میں قدرے تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہیں۔ چند تاریخی حقائق ہیں جن کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور یہیں سے ہمیں ان کے مذہب اور تعلیمات کا سراغ بھی مل جاتا ہے۔

(۱) زردشت کے عہد کی ایک عظیم تاریخی شخصیت سائرس کی ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی پہاڑوں اور جنگلوں میں بسر ہوئی لیکن کن حالات میں اور کیوں کر بسر ہوئی تاریخ اس بارے میں خاموش ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور جو کچھ ہم تک اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں پہنچا ہے، اس کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ۵۵۹ ق م میں وہ اچانک نمودار ہوا اور چند سالوں کے اندر تمام مغربی ایشیا میں اس کی عظمت کو تسلیم کر لیا گیا۔

(۲) سائرس پارس کے "ایکے می نیز" خاندان کا ایک نوجوان گورشش تھا، عبرانیوں نے اسے خوارش، یونانیوں نے سائرس اور عربوں نے اسے "کے خسرو" کے نام سے پکارا، اور یہی وہ شخصیت ہے قرآن میں جس کا نام ذوالقرنین آیا ہے۔

(۳) سائرس کا ۵۵۹ ق م میں ظہور ہوا، ۵۵۰ ق م میں تخت نشین ہوا اور ۵۲۹ ق م میں اس کا انتقال ہوا۔

(۴) سائرس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا۔ اس نے ۵۲۵ ق م میں مصر فتح کیا لیکن ابھی مصر ہی میں تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ "گوماتہ" نامی ایک شخص نے بغاوت کر دی ہے۔ کیقباد یہ خبر سن کر مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ سائرس کی نسل سے کوئی شہزادہ نہیں تھا اس لئے اس کا (سائرس کا) چچازاد بھائی دارا بن گشتاسپ تخت نشین ہوا۔ اس نے بغاوت فرو کی اور گوماتہ کو قتل کر دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ ق م میں ہوئی یعنی سائرس کے انتقال کے ٹھیک آٹھ برس بعد دارا تخت نشین ہوا تھا۔

(۵) یونانی مؤرخوں کی شہادت موجود ہے کہ گوماتہ کی بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروؤں کی بغاوت تھی خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں "گوماتہ" کو "موگوش" لکھتا ہے یعنی مجوس۔ موگوش سے مقصود میڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا عربوں میں موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی، پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہا جانے لگا۔ زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہ رہا حالانکہ اصلاً مجوس زردشتیوں کے مخالف تھے۔

(۶) یہ بات ثابت ہے کہ گوماتہ کی بغاوت سنئے دین کی حامی حکومت کے خلاف تھی۔ گوماتہ کی بغاوت کے بعد بھی کئی بغاوتیں ہوئیں، ان کا پس منظر بھی یہی تھا۔ دارا نے "کتبہ بے ستون" میں گوماتہ کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کے حالات لکھے ہیں نیز کتبہ استخر میں اپنے ماتحت ملکوں کے نام کندہ کرائے ہیں جس میں وہ اپنی تمام کامرانیوں کو "اہورموزدہ" کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ثابت و معلوم ہے کہ اہورموزدہ "زردشت کی تعلیم کا "اللہ" ہے لیکن تاریخ میں اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملتا جس سے ثابت کیا جا سکے کہ کم بی سیز یا دارا نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا۔

ان تاریخی واقعات و مسلمات کو ذہن میں رکھ کر غور کیجئے کہ ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی اور دارا فی الواقعہ زردشتی "اہورمزدہ" پر ایمان رکھتا تھا اور اپنی تمام تر کامیابیوں کو اسی کے فضل و کرم سے منسوب کرتا تھا، تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ کم بی سیز اور دارا سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آچکا تھا؟ اور اگر سائرس کی وفات کے تقریباً چار سال کے بعد ہی قدیم مذہب کے پیرو اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا، پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمران داعی بھی؟ اگر سائرس کا ابتدائی زمانہ شمالی کوہستانی علاقوں میں بسر ہوا اور زردشت کا ظہور بھی شمالی مغربی ایران میں ہوا تو کیا اس زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہوا تھا؟

(ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۱۹)

یہاں تک یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ سائرس دین زردشتی کو قبول کر چکا تھا۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا سائرس وہی شخصیت ہے جسے قرآن میں ذوالقرنین کہا گیا ہے اور اللہ و آخرت پر ذوالقرنین کے ایمان کا قرآن شاہد ہے بلکہ قرآن ذوالقرنین کو ملہم من اللہ قرار دیتا ہے" تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں۔

ذوالقرنین کی مومنانہ شخصیت پر تو خود قرآن شاہد ہے لیکن دارا کی مومنانہ حیثیت کے بارے میں تاریخ نے جو شہادت ہمارے سامنے پیش کر دی ہے ہم اسے قرآن کی شہادت کی طرح اپنا عقیدہ تو نہیں بنا سکتے لیکن اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔

اسطخر کا کتبہ اب سے ڈھائی ہزار برس پیشتر کی تاریخ ہی کا منادی نہیں دارا کے ایمان و عقائد کی شہادت بھی دے رہا ہے۔ یہ شہادت کیا ہے؟ یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" خدائے برتر اہورمزدہ ہے۔ اسی نے زمین پیدا کی اسی نے آسمان بنایا، اسی نے انسان کی سعادت بنائی اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمران اور آئین ساز بنایا۔"

" دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورمزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن وامان قائم کیا۔ میں اہورمزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے میرے خاندان کو اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورمزدہ! میری دعا قبول کر!

اے انسان! اہورمزدہ کا تیرے لئے حکم یہ ہے کہ بُرائی کا دھیان نہ کر، صراطِ مُستقیم کو نہ چھوڑ۔ گناہ سے بچ رہ!"

یہ یاد رہے کہ دارا، سائرس کا معاصر اور اس کے چچا گشتاسپ کا بیٹا تھا اور جیسا کہ عرض کیا گیا سائرس کی وفات کے صرف آٹھ سال بعد تخت نشین ہوا تھا۔ گشتاسپ ایران کے ایک صوبہ باختر کا گورنر تھا اور اسی صوبہ میں زردشت کو اپنی دعوت کی اشاعت وتبلیغ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہاں یہ بات بعید از قیاس نہیں رہ جاتی کہ جہاں ایک طرف سائرس اپنی ابتدائی گمنامی کے زمانہ میں زردشت کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہوا وہیں گشتاسپ بھی اس کی تعلیمات سے متاثر ہوا اور اس کی ریاست دین زردشتی کی اشاعت وتبلیغ کا مرکز بنی اور زردشت کو کامیابی حاصل ہوئی۔ خاندان کے دینی ماحول اور تربیت نے دارا کی شخصیت کا خمیر تیار کیا اور زردشت کی تعلیمات نے اس پر رنگ وروغن کیا اس سے عقائد وافکار کی تصویر بنی اس کی ایک جھلک ہم کتبہ بےستون واستخر میں دیکھ سکتے ہیں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:-

" دارا کی صداؤں میں ہم خود سائرس کی صدائیں سُن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو "اہورمزدہ" کے فضل وکرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک ذوالقرنین کے اس طریق خطاب کی تصدیق ہے کہ ھٰذا رحمۃ من ربی" (۱۸-۹۸)

اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہیں اور زردشت کے مذہب کی کچھ تفصیلات اور بعض خصوصیات معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ مناسب ہوگا کہ فارس اور میڈیا کے قدیم مذہب کی بابت معلوم کر لیا جائے۔ مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں:-

" زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقائد کی نوعیت وہی تھی جو انڈو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے۔ ہندوستان کے آریاؤں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کرلی کیوں کہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی، دونوں ظہور میں آتی تھیں لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کردیا۔ ایک قوت پاک روحانی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی، دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی جو نوع انسانی کے جانی دشمن تھے۔ روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطان کی تاریکی میں۔ نور وظلمت کی یہی کشمکش ہے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ہیں۔ چونکہ روشنی پاک روحانیتوں کی نمود ہے اس لئے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لئے ہونی چاہئیں۔ اس روشنی کا مظہر آسمان میں سورج اور زمین میں آگ تھی۔

اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا۔ روحانی زندگی اور اس کی سعادت وشقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہوگیا تھا اس کے افراد "موگوش" کے لقب سے پکارے جاتے تھے آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کرلیا۔"

فارس اور میڈیا کی یہ مذہبی حالت تھی کہ زردشت کا ظہور ہوا۔

"زردشت نے ان تمام عقائد سے انکار کردیا۔ اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت، و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا۔ اس نے کہا۔ یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں نہ شر کے بہت سے عفریت۔ یہاں صرف ایک "اہورمزدہ" کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، نور ہے، قدوس ہے، حق ہے، حکیم ہے، قدیر ہے اور تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کائنات ہستی کی خالق ہے۔ کوئی ہستی نہیں جو اس کے مثل ہو، یا اس کے ہمتا ہو یا اس کی شریک ہو۔ تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے، وہ خالق و قادر نہیں ہیں بلکہ اہورمزدہ کے پیدا کئے ہوئے "امش سپند" ہیں یعنی ملائکہ ہیں اور شر کا ذریعہ دیوؤں کی خوفناک قوت نہیں ہے بلکہ "ازوہین" (اہرمن) کی ہستی ہے یعنی شیطان کی ہستی ہے۔ یہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے انسان کو تاریکی کی طرف لے جاتی ہے۔"

صاف دیکھا جاسکتا ہے کہ زردشت کی تعلیمات میں نہ کہیں آتش پرستی کی گنجائش نظر آتی ہے نہ ثنویت ہی کی کوئی جگہ نظر آتی ہے۔ اس مذہب کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا عملی پہلو ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

"زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے۔ یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا بلکہ عین مذہب میں تھا۔ اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستورالعمل بنادیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے۔ فکر کی راستی، گفتار کی راستی اور کردار کی راستی یہ تین اہورمزدہ کے تین بنیادی اصول تھے۔" (ترجمان القرآن جلد دوم ص۴۱۷)

آگے چل کر مولانا تحریر فرماتے ہیں :

"اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لئے نہیں کرنی چاہیئے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں بلکہ اس لئے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہورمزدہ کی عبادت نہیں کریں گے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔"

اس کے تصور آخرت کے بارے میں مولانا تحریر فرماتے ہیں :

"اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی۔ اس زندگی میں دو عالم ہوں گے ایک اچھائی اور سعادت کا دوسرا برائی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شقاوت کا۔ جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کئے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے، جنھوں نے بُرے عمل کئے ہیں وہ دُوسرے عالم میں اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا جسے وہ آخری فیصلے کا دن قرار دیتا ہے۔

بقائے رُوح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بُنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کی رُوح فانی نہیں وہ اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ثواب و عقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے۔"

یہ اس مذہب کے صرف دعاوی ہی نہ تھے بلکہ اس کا ایک تاریخی کردار بھی ہے۔

"موجودہ عہد کے تمام محققینِ تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاقی و فکری ارتقا میں نہایت موثر حصہ لیا۔ اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی اخلاقی حالت بہت ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رُخ سرتاسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا اور جو اپنے پیرؤں کی اخلاقی روش کے لئے نہایت بلند مطالبے رکھتا تھا، ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دیئے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جاسکتے۔ پانچویں اور چوتھی قبل مسیح کا زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے اور ہیرو ڈوٹس اور زینوفون نے جب تاریخیں لکھی ہیں تو یونانیوں کے حریفانہ جذبات پوری طرح اُبھرے ہوتے تھے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کرسکتے۔ انھیں ماننا پڑتا ہے کہ "ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں۔" ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لیں گے کہ ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کی قوموں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتیں۔"

اسی پروفیسر (گرنڈی) کی یہ شہادت بھی ہے:

"اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور ریتوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا۔[1]"

لیکن جس طرح حوادث روزگار اور انقلابات دہر نے بہت سے دیگر اصل نوشتوں کو ہم سے چھین لیا اور رفتہ رفتہ ان کی اصل تعلیمات مسخ ہوتی چلی گئیں۔ اوستا کے ساتھ بھی یہی صورت حال پیش آئی کہ سکندر اعظم کے حملۂ اسطخر کے موقع پر مقدس صحیفہ جل کر راکھ ہوگیا۔ زردشتی مذہب کے انحطاط و تغیر کا تاریخی افسانہ یہ ہے کہ:

"چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہوا۔ ایک طرف قدیم مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا۔ دوسری طرف خارجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انٹانین (ANTONINE) شہنشاہ روم کے زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی دو صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مدبوغ کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ اسطخر میں جل کر راکھ ہوگیا۔ بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس نے جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہوگیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا، تو مذہب زردشت کی از سر نو تدوین کی گئی اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی، اسی طرح اردشیر بابکانی نے از سر نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں، تحریفوں اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی

---

[1] یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ بحوالہ ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھیں۔ چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت، زردشتیت اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے۔ اور اس کا بیشتر دنی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے۔ اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے اور جس کے لئے ہم ایک فرنچ مستشرق آنک تیئیل کی اوالوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکرگزار ہیں۔"

(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۱۸)

★

شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن شریف کا جو نصب العین معین فرمایا ہے، وہی اُن کی حکمت کی اساس ہے۔ جب ہم فلسفہ ولی اللہ" کا نام لیتے ہیں۔ تو اس سے ہماری مراد وہ حکمت ہے، جو شاہ صاحب کے نزدیک قرآنی مقاصد کا لب لباب ہے۔ یہ حکمت اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود یہ دُنیا ہے۔ دُنیا کی ارتقائی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس حکمت نے کیسے کیسے ترقی کے مراحل طے کئے، شاہ صاحب نے اپنی کتاب "تاویل الاحادیث" میں اس پر بحث کی ہے۔ آدم علیہ السلام کے زمانے میں زندگی کے کیا کیا ضابطے اور شرائع تھے۔ اُن سے کس طرح اس عہد کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں۔ پھر اس کے بعد جیسے جیسے اِنسانیت ترقی کرتی گئی؛ اس کے افکار و خیالات میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں، فلسفہ ولی اللہی اِن مسائل پر بحث کرتا اور ان سب کے حل پیش کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جو دَور تھا شاہ صاحب اُسے صابئین کا دَور قرار دیتے ہیں۔ اِس دَور میں آدم، ادریس و نوح علیہم السلام ہوئے۔ شاہ صاحب نے "تاویل الاحادیث" میں اِس دَور کی پوری تشریح کی ہے۔ اُن کے نزدیک ادریس علیہ السلام طبیعات، ریاضیات اور الہیات کے بانی تھے۔ یہ حکمت اتنی ہی عالمگیر ہے جتنی کہ خود اِنسانیت ہے۔ اس کا مرکز کبھی بند ہُوا، کبھی ایران اور کبھی یونان۔ یہ سب صبائی مراکز تھے پھر حضرت ابراہیم آتے ہیں۔ اور یہاں سے حنیفی دَور شروع ہوتا ہے۔ حُنفاء یعنی ملّتِ ابراہیمی کے پیرو اُسی صبائی فلسفے کو دُوسرے رنگ میں بدل دیتے ہیں۔

© rasailojaraid.com